OPEN ACCESS
ISSN (P): 2789-3820
ISSN (O): 2789-3839

Al-Āfāq Islamic Research Journal
http://alaafaqjournal.com/index.php/alaafaq/index
Vol. 04, Issue: 02, Dec-2024, PP: 45-61

اسلام میں عورت کا حقِ ملکیت بر آمدہ از ملازمت: دینی اور معاشرتی تجزیہ

Women's Right to Property Earned through Employment in Islam: Religious and Social Analysis

***Dr. Syed Hamid Farooq Bukhari**
Head Department of Islamic Studies,
University of Gujrat, Gujrat, Pakistan.
hamid.farooq@uog.edu.pk

****Muhammad Farooq Iqbal**
Ph.D. Scholar, Department of Islamic Studies,
Ghazi University, Dera Ghazi Khan, Pakistan.
frqiqb@gamil.com

Abstract

This research paper examines the Islamic viewpoint on women's right to property ownership, focusing on religious, legal, and sociocultural aspects. It emphasizes that Islam, based on the Qur'an, Sunnah, and classical jurisprudence, grants women full and independent rights to own, inherit, purchase, and manage property without male guardianship – rights that were revolutionary compared to pre-Islamic and many modern legal systems. The study is divided into three chapters. The first outlines the general Islamic concept of ownership and its gender-equitable nature, contrasting it with Western views. The second presents religious evidence, including Qur'ānic verses, Hadiths, and classical juristic opinions, highlighting figures like Khadijah (RA) and Aisha (RA) as examples of independent female property owners. The third chapter discusses contemporary challenges, analyzing how women's rights are implemented across Muslim societies, and the socio-cultural barriers such as patriarchy and legal limitations. The conclusion affirms the Islamic consensus on women's property rights and calls for legal reforms, education, and community awareness to bridge the gap between Islamic teachings and societal practices.

Keywords: *Women Rights, Women Employment, Women's Property Rights in Islam, Islamic Inheritance Law, Gender and Shariah, Qur'ānic Law on Ownership, Fiqh and Gender Equity, Islamic Legal Reform.*

ابتدائیہ:

اسلام سے قبل جاہلی معاشرے میں عورت نہ صرف وراثت سے محروم تھی بلکہ خود بھی وراثت کا حصہ سمجھی جاتی تھی۔ شوہر کی وفات کے بعد اسے شوہر کے مال کی طرح تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ بعض قبائل میں عورت کو بیچا اور خریدا جاتا، اسے مالی اختیارات یا آزادی کا کوئی حق حاصل نہ تھا۔ ایسے تاریک پس منظر میں قرآنِ کریم نے نہ صرف عورت کی ملکیت کو تسلیم کیا بلکہ اس کی حفاظت اور ترقی کے لیے واضح احکام بھی نازل فرمائے۔ اسلامی فقہ کے مطابق عورت کو نہ صرف مال رکھنے، خریدنے، بیچنے، کرایہ پر دینے، یا معاہدہ کرنے کا اختیار حاصل ہے بلکہ وہ اپنی کمائی، وراثت، اور مہر کی مکمل مالک بھی قرار دی گئی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

"لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا"[1]

"مردوں کے لیے اس میں حصہ ہے جو والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں، اور عورتوں کے لیے بھی اس میں حصہ ہے جو والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں، خواہ وہ مال کم ہو یا زیادہ، ایک مقررہ حصہ ہے"

اسلامی قانونِ وراثت کی روسے، مرد و عورت دونوں کو والدین یا قریبی رشتہ داروں کے ترکے میں قانونی حقِ حصہ داری حاصل ہے۔ یہ حقِ وراثت کمیتِ مال (خواہ مقدار میں قلیل ہو یا کثیر) سے مشروط نہیں، بلکہ ایک مستقل اور الٰہی تعیین شدہ حصہ (فرض) ہے۔ شریعت نے مردوں اور عورتوں کے

مخصوص حصوں کی تفصیلات واضح طور پر مقرر کی ہیں، جس میں جنسیت کی بنیاد پر حقِ میراث سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ نظام وراثت میں صنفی تفریق کے بغیر انصاف، خاندانی معاشی تحفظ، اور سماجی توازن کو یقینی بناتا ہے۔ اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ عورت کو مال میں حصہ محض اخلاقی رعایت کے طور پر نہیں، بلکہ ایک "مفروض حق" کے طور پر دیا گیا ہے، یعنی شرعی فریضہ کے طور پر۔ حضرت خدیجہؓ کا کاروباری پس منظر، حضرت عائشہؓ کا علمی و مالی استقلال، اور حضرت فاطمہؓ کی وراثت سے متعلق جدوجہد اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ عورت اسلامی معاشرے میں نہ صرف مال کی مالک بن سکتی ہے بلکہ وہ مالی فیصلے میں خود مختار بھی ہو سکتی ہے۔ اسلامی تاریخ میں بے شمار ایسی مثالیں ملتی ہیں جہاں عورتوں نے زمینیں خریدیں، وقف کیے، وراثت وصول کی، یامالی تنازعات کو فقہ کے اصولوں کے مطابق طے کیا۔ فقہاء کرام نے عورت کی ملکیت کو مرد کی ملکیت کے برابر تسلیم کیا ہے، اور اس سلسلے میں کسی قسم کی فقہی تفریق نہیں کی۔ آج کے دور میں اگرچہ کئی مسلم ممالک میں عورت کے حقوق کو آئینی تحفظ دیا گیا ہے، لیکن عملی طور پر اسے کئی سماجی و قانونی رکاوٹوں کا سامنا ہے۔ عورت کو وراثت سے محروم کرنا، زبردستی زمین لکھوانا، یامالی فیصلوں سے خارج رکھنا عام ہو چکا ہے، جو کہ اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی ہے۔ اسی تناظر میں اس تحقیقی مقالے کا مقصد یہ ہے کہ:

- اسلامی متون (قرآن و سنت) کی روشنی میں عورت کے حقِ ملکیت کو واضح کیا جائے۔
- فقہائے کرام کے اقوال سے اس حق کی تفصیل بیان کی جائے۔
- موجودہ مسلم معاشروں کی صورت حال کا تنقیدی جائزہ لیا جائے۔
- اس حوالے سے عملی تجاویز دی جائیں تاکہ اسلامی معاشروں میں عورت کا یہ حق بحال اور مضبوط کیا جا سکے۔
- یہ تحقیق ایک فکری و عملی کوشش ہے کہ عورت کو وہ مقام دیا جائے جو اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے عطا فرمایا ہے، نہ کہ وہ جو سماج نے محدود کر دیا ہے۔

ملکیت کی تعریف:

مال اور ملکیت ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ مال میں تصرف انسان کو ملکیت کے سبب حاصل ہوتا ہے۔ ہر چیز کا مالکِ حقیقی، اللہ رب العالمین ہی ہے اور اس کے ہی فضل سے انسان سامانِ زیست کا مالک بنا ہے۔ اس لئے انسان کو حق انتفاع کی وجہ سے مجازاً مالک کہا جاتا ہے۔ شرح وقایہ میں ملکیت کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

"واما الملك فهو اتصال شرعي بين الانسان و بين شيء يكون مطلقاً لتصرفه فيه وحاجزاً عن تصرف الغير فيه"[2]

"شریعت میں ملک اس تعلق کا نام ہے جو ایک انسان اور اس چیز کے درمیان واقع ہوتا ہے جو انسان کے قطعی اختیار اور اقتدار میں ہوتی ہے اور کسی سے دوسرے شخص کو اختیار یا انتقال کا حق نہیں ہوتا۔"

ملکیت کے ذرائع:

کسی انسان کو مال، زمین یا جائیداد کے مالکانہ حقوق درج ذیل تین طریقوں سے حاصل ہوتے ہیں:

1. کسی شخص کو وراثت یا بطور تحفہ دوسرے فرد کی جانب سے مال یا جائیداد حاصل ہو جائے۔
2. کوئی شخص کسی چیز کو قیمتاً خرید لے۔
3. کوئی شخص کسی چیز کو اپنی محنت سے حاصل کر کے اس کا مالک بن جائے۔

عورت کی ملکیت جہاں تک کا تعلق ہے اس کی درج ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں:

1. والد، والدہ، بھائی یا شوہر یا کسی عزیز کی وصیت کی وجہ جو مال، جائیداد یا رقم کسی عورت کو ملے۔
2. والد یا شوہر کی وراثت میں سے جو حصہ مال، جائیداد یا رقم کسی عورت کو ملے۔

3. شوہر کی جانب سے ملنے والی مہر کی رقم یا سامان زیورات کی صورت کسی عورت کو بحیثیت بیوی ملے۔

4. شادی کے موقع پر شوہر اور عزیز و اقارب کی جانب سے ملنے والے تحائف وغیرہ یا جو آج کل عورت کو میکے سے جو سامان بنام جہیز دیا جا رہا ہے وہ بھی عورت کی ملکیت میں کہلائے گا۔

قرآن مجید نے مال کے حوالے سے جو پہلا اصول متعین کیا ہے وہ یہ ہے:

"وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ"[3]

"اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاو اور نہ اس کو حاکموں کے پاس (بطور ثبوت) پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ ناجائز طور پر کھا جاؤ اور تم علم رکھتے ہو۔"

علامہ قرطبی آیت مذکورہ کے تحت رقم طراز ہیں:

"من اخذ مال غيره لاعلى وجه اذن الشرع، فقد اكله بالباطل ومن الاكل بالباطل ان يقضى القاضى لک وانت تعلم انك مبطل، فالحرام حرام لايصير حلالا بقضاء القاضي لانه انما يقضي بالظاهر"[4]

"جس شخص نے کسی کا مال غیر شرعی طریقے سے لیا تو اس نے وہ باطل طریقے سے کھایا، اور وہ مال بھی باطل شمار ہو گا جس کا فیصلہ قاضی تمھارے حق میں کر دے حالانکہ تمھیں معلوم ہے کہ تم ناحق لے رہے ہو۔ اسیطرح قاضی کا فیصلہ کسی حرام کو حلال نہیں کر سکتا کیونکہ قاضی ظاہر کے متعلق فیصلہ کرتا ہے۔"

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا:

" يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ"[5]

"اے لوگو! جو مان گئے ہو! نہ ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے کھاؤ مگر آپس کی رضامندی کے ساتھ تجارت ہو۔"

علامہ قرطبی باطل کی تعریف اس طرح بیان کرتے ہیں:

"الباطل فى كلام العرب: خلاف الحق ومعناه الزائل"[6]

"کلام عرب میں حق کے خلاف کو باطل کہتے ہیں اور اس کے معنی زائل کرنا ہے۔"

یعنی علامہ قرطبی کے بقول باطل وہ ہے جس کا جانا، زوال پذیر ہونا، زائل ہونا طے ہو چکا ہو۔

حق ملکیت:

مال و جائیداد کی خرید و فروخت میں اسلام نے مرد و عورت کو مساوی حقوق دیئے ہیں۔ وہ چاہئے اپنا مال رھن رکھیں، کسی کو ورثے میں دیں، فروخت کریں یا اس کے ذریعے کاروبار کر کے مزید اضافے کا ذریعہ بنائیں یا اس کو اپنی ضروریات پوری کرنے میں صرف کریں۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

"لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّاتَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّاتَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا"[7]

"جو مال والدین اور اقارب چھوڑ کر وفات کر جائیں کم یا زیادہ اس میں مردوں اور عورتوں کا حصہ ہے، یہ حصے مقرر کیے ہوئے ہیں۔"

ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔

"لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ"[8]

"جو مردوں نے کمایا وہ ان کا ہے اور جو عورتوں نے کمایا وہ ان کا ہے۔"

بعد از نکاح عورت کی ملکیت:

عورت کے نکاح میں مالی حقوق اکثر نظر انداز کیے جاتے ہیں، جیسے مہر کی عدم ادائیگی اور جائیداد سے محرومی۔ دیہی علاقوں میں وٹہ سٹہ اور شغار جیسے غیر اسلامی رواج عورتوں کے حقوق پامال کرتے ہیں، حالانکہ قرآن جاہلیت کی ان رسموں کو باطل قرار دیتا ہے۔ سیدنا عمر بن خطاب نے زمانہ جاہلیت کے عرب معاشرے میں عورتوں کی قدر و وقعت بایں الفاظ بیان کی ہے:

"والله ان كنا في الجاهلية ما نعد للنساء امرا حتى انزل الله فيهن ما انزل و قسم لهن ما قسم"[9]

"اللہ کی قسم! ہم دور جاہلیت میں عورتوں کو کوئی حیثیت نہیں دیتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ نے ان کے بارے میں اپنے احکامات نازل کیے اور ان کے لیے جو کچھ حصہ مقرر کرنا تھا مقرر کیا۔"

دیہی علاقوں میں بعض مرد بیویوں کو بغیر طلاق نکال کر نان و نفقہ نہیں دیتے، جبکہ خواتین دباؤ کے باعث انصاف نہیں لیتیں۔ اسلامی احکامات کے مطابق زوجین کے حقوق برابر ہیں، اس لیے خواتین پر ظلم روکنا ضروری ہے۔

زوجین کی علیحدگی کی صورت میں ملکیت کی تقسیم:

نکاح زوجین کے درمیان مشترکہ مقاصد کا معاہدہ ہے، لیکن بعض وجوہات کی بنا پر اگر وہ نکاح کے تقاضے پورے کرنے میں ناکام ہو جائیں تو شرعی، قانونی اور اخلاقی اصولوں کے تحت علیحدگی کا حق رکھتے ہیں۔ مرد طلاق دے سکتا ہے، جبکہ عورت خلع لے سکتی ہے۔ خلع میں شوہر بیوی کی درخواست پر مہر یا دیگر مال لے کر نکاح ختم کر دیتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں زیادہ تر علیحدگی انہی دو صورتوں میں ہوتی ہے، اور بعد از علیحدگی ملکیت کی تقسیم کے اصول طے شدہ شرعی و قانونی ضوابط کے مطابق ہوتے ہیں۔ طلاق دینے کی صورت میں مرد عورت سے کچھ واپس نہیں لے گا۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

"وَلا تحل لكُم أن تأخذ مما اتيتموهن شيء"[10]

"اور جائز نہیں تمہارے لیے کہ لو تم اس سے جو تم نے دیا ہے انہیں کچھ بھی۔"

اسی طرح اگر شوہر عورت پر ظلم و زیادتی کرتا ہو یا مارتا پیٹتا ہو اور اس کو طلاق بھی نہ دیتا ہو تو ایسی صورت میں عورت مرد سے اپنی جان چھڑانے کے لیے اسے کچھ دے دے۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

" فَلا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيهَا افْتَدَتْ به"[11]

"تو کوئی حرج نہیں ان پر کہ عورت کچھ فدیہ دے کر جان چھڑا لے۔"

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری آیت مذکورہ کے تحت رقم طراز ہیں:

"حنفی فقہاء نے صراحت کی ہے زیادتی خاوند کی ہو تو اسے خلع کے وقت بیوی سے کچھ لینا نہیں مناسب ہے اور بالفرض زیادتی بیوی کی طرف سے ہے تو جتنا اس نے بیوی کو دیا تھا اتنا لینا اسے مباح ہے اور اس سے زیادہ لینا مکروہ ہے۔ اور بعض دیگر علماء نے کہا ہے کہ زیادہ بھی لے سکتا ہے۔"[12]

پاکستانی معاشرے میں خواتین کا گھریلو اور معاشی کردار تسلیم نہیں کیا جاتا۔ انہیں جائیداد، کمائی اور حقوق سے محروم رکھا جاتا ہے، حالانکہ اسلام نے انہیں برابر کے حقوق دیے ہیں، جن کا تحفظ ضروری ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ سلم نے خطبہ حجتہ الوداع کے موقع پر عورتوں کے حقوق کے متعلق ارشاد فرمایا:

"فاتقوا الله في النساء وانكم اخذتموهن بأمان الله و استحللتم فروجهن بكلمة الله ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف"[13]

"اے لوگو عورتوں کے حقوق اور ان کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں خدا سے ڈرو، اس لیے کہ تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر لیا ہے اور اللہ کے حکم اور اس قانون کی رو سے ان کے ساتھ تمتع تمہارے لیے حلال ہوا ہے۔ اور ان کا خاص حق تم پر یہ ہے کہ اپنی استطاعت اور حیثیت کے مطابق ان کے کھانے پہننے کا بندوبست کرو۔"

مرد و عورت برابر ہیں، لہٰذا جائیداد کی منصفانہ تقسیم ضروری ہے تاکہ خواتین کو ان کے حقوق ملیں اور معاشرتی تعلقات خوشگوار رہیں۔

تجزیہ:

اب تک کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر انسان کو اپنے فرائض ادا کرنا چاہیے۔ ایک عورت اپنا سب کچھ اپنے والدین کے گھر چھوڑ کر آتی ہے۔ وہ محبت اور احترام کی طلب گار ہوتی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ میرے ساتھ عزت واحترام کا برتاؤ کیا جائے۔ کسی حق سے محروم نہ کیا جائے۔ شارع نے جو حقوق متعین کیے ہیں ان کی پاسداری کی جائے۔ انسانوں جیسا برتاؤ کیا جائے۔ اور اسلام بھی یہی تعلیم دیتا ہے۔ اسلامی تعلیمات واضح ہیں۔

خواتین کی ملازمت اور اسلامی تعلیمات

آج کے دور میں ملازمت عورت کے لیے صرف ایک معاشی ضرورت نہیں، بلکہ ایک سماجی حقیقت بن چکی ہے۔ دنیا بھر میں خواتین کی روزگار میں شرکت ایک عام رواج ہے، لیکن مغربی اور مشرقی معاشروں میں اس کے پس پردہ محرکات اور نتائج مختلف ہیں۔ مغربی معاشرے میں، جہاں عورت کو قانونی طور پر مرد کے مساوی حقوق حاصل ہیں، وہیں معاشی خود مختاری اس کے لیے ایک لازمی تقاضا بن گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں خاندانی نظام میں مرد پر عورت کی کفالت کی ذمہ داری اتنی مضبوط نہیں، جس کے نتیجے میں عورت کو اپنی معاشی ضروریات خود پوری کرنی پڑتی ہیں۔ حقوقِ نسواں کی تحریک نے اگرچہ عورت کو مالی آزادی دلائی، لیکن اس کے ساتھ ہی دوہری ذمہ داریوں کا بوجھ بھی اس پر ڈال دیا—گھر کی دیکھ بھال اور بیرونی ملازمت، دونوں کا بار اسی کے کندھوں پر آ پڑا۔ مغرب میں خواتین کو اپنے حقوق کے حصول کے لیے ایک طویل اور صبر آزما جدوجہد کرنی پڑی۔ صدیوں تک معاشرتی، سیاسی اور معاشی استحصال کا شکار رہنے کے بعد، انہیں تعلیم، روزگار اور قانونی مساوات جیسے بنیادی حقوق کے لیے شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ جدوجہد آخر کار رنگ لائی، اور آج مغربی خواتین سیاست، سائنس، کاروبار اور فنون جیسے شعبوں میں نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ تاہم، اس کامیابی کے باوجود، وہ خاندانی توازن اور ذہنی دباؤ جیسے مسائل سے دوچار ہیں۔[14]

اسلام نے عورت کو فکر معاش سے آزاد کر کے اس کا معاشی بوجھ شادی سے پہلے اس کے والد، بھائی یا پھر چچا پر اور شادی کے بعد اس کے شوہر یا پھر بیٹے پر ڈالا ہے۔ اگر اولاد نہ ہو تو پوتوں اور نواسوں پر اگر وہ بھی نہ ہو تو ہر محرم پر، ان کے میراث کے بقدر اخراجات کی ذمہ داری ہے۔[15] اس کے باوجود اسلام عورت کو بوقت ضرورت اپنے معاش کے لیے دوڑ دھوپ کرنے سے نہیں روکتا۔ کیونکہ مجبوری کے وقت کسب معاش بہر حال کسی کے آگے سوال کرنے سے بہتر ہے۔ علاوہ ازیں بعض سماجی خدمات ایسی ہیں جن کو بجالانا ناگزیر طور پر عورت کے ذمے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے آداب اور شرائط کے ساتھ حصول معاش کے لیے عورت جائز قسم کی تجارت یا ملازمت، دونوں اختیار کر سکتی ہے۔ ان آداب اور شرائط کے جائزے سے بیشتر دو تمہیدی باتوں کا ذکر ضروری ہے۔

عورت کا اصلی دائرہ کار:

اسلام عورت کو عام حالات میں گھر میں رہنے کی ترغیب دیتا ہے، کیونکہ قدرتی طور پر اس کی جو ذمہ داریاں مقرر کی گئی ہیں، ان کا مرکز اس کا گھر اور خاندان ہوتا ہے۔ بچوں کی نگہداشت، ان کی تربیت اور گھریلو نظام کو سنبھالنا اس کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ بغیر ضرورت کے گھر سے باہر جانا نہ تو عورت کے لیے فائدہ مند ہے اور نہ ہی معاشرے کے لیے مفید۔ ارشاد الٰہی ہے:

"وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى"[16]

"اور اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور پہلے جاہلیت کے دور والی زینت نہ دکھاتی نکلو۔"

نماز جیسے اہم فریضہ کے بارے میں حکم دیا کہ عورتیں نماز گھروں میں پڑھیں۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

"صلاة المرأة في بيتها افضل من صلاتها في حجرتها وصلاتها في مخدعها افضل من صلاتها في بيتها"[17]

"عورت کے لیے سب سے بہتر نماز وہ ہے جو وہ اپنے کمرے میں ادا کرے، اور اس سے بھی افضل نماز وہ ہے جو وہ اپنے

کمرے کے اندرونی حصے یعنی سب سے الگ تھلگ جگہ پر ادا کرے۔"

اسی لیے نماز جمعہ جیسی اہم عبادت کو عورت پر واجب نہیں کیا گیا ہے[18]

جو ذمہ داریاں صرف چند مردوں کی شرکت سے ادا ہو جاتی ہیں عورت کے لیے ان میں شریک ہونے کی حوصلہ شکنی گئی ہے۔ اس لیے نماز جنازہ میں شرکت ان پر نہیں ہے[19]۔ خاص ضرورت کے بغیر جہاد میں شرکت نہیں ہے۔ اگر دور اول کی پاکیزہ خواتین کی سرگرمیوں کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا دائرہ کار ان کا گھر تھا۔ گھر کا انتظام و انصرام، شوہر کی اطاعت گزاری، بچوں کی پرورش ان کے بنیادی فرائض تھے۔

ضرورت کے تحت گھر سے نکلنے کا جواز:

اسلام میں ضرورت کے تحت عورت کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

"إنه أذن لكن أن تخرجن لحاجتكن"[20]

"بلاشبہ تمھیں ضرورت کے وقت گھر سے نکلنے کی اجازت دی گئی ہے۔"

مولانا گوہر رحمان نے گزشتہ آیت ہی سے ضرورتاً گھروں سے باہر جانے پر یوں استدلال کیا ہے:

"وقرن في بيوتكن "اور تم اپنے گھروں میں رہو" سے بظاہر معلوم ہوا کہ گھروں سے باہر نہ جاؤ لیکن لفظ ولا تبرجن سے اخذ ہوتا ہے کہ اس حکم کا اصل تعلق زیب و زینت کی نمود و نمائش کے لیے باہر نکلنے کی ممانعت ہے۔ باقی ضروریات کی خاطر نکلنے کی ممانعت مقصود نہیں ہے[21]۔ مفتی محمد شفیع نے معارف القرآن میں یہی بات بیان فرمائی ہے[22]

مفتی محمد شفیع معارف القرآن میں فرماتے ہیں:

"آیت "وقرن في بيوتكن" سے باشارات قرآن اور بعمل رسول ﷺ اور باجماع صحابہ مواقع ضرورت مستثنیٰ ہیں۔ جن میں عبادات، حج و عمرہ بھی داخل ہیں اور ضروریات طبعیہ والدین اور اپنے محارم کی زیارت، عیادت وغیرہ بھی۔"

اگر کسی کے نفقہ اور ضروریات زندگی کا کوئی اور سامان نہ ہو تو پردے کے ساتھ محنت مزدوری کے لیے نکلنا بھی، البتہ مواقع ضرورت میں خروج کے لیے شرط یہ ہے اظہار زینت نہ ہو، اور برقع یا جلباب (بڑی چادر) اوڑھ کر نکلیں[23]۔ ملازمت پیشہ خواتین کو عائلی زندگی میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، مگر بعض اوقات حالات مجبور کر دیتے ہیں کہ وہ دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے کے بجائے خود کمانے کو ترجیح دے۔ بعض خدمات ایسی ہوتی ہیں جو عورت ہی بہتر انجام دے سکتی ہے، اسی لیے اسلام ضرورت کے وقت شرعی حدود میں رہتے ہوئے عورت کو جائز روزگار کی اجازت دیتا ہے۔ تاریخ میں کئی صحابیات کے ایسے واقعات موجود ہیں جن میں وہ خود محنت کر کے کماتی تھیں، اپنے گھر والوں کا خرچ اٹھاتی تھیں اور اللہ کی راہ میں بھی خرچ کرتی تھیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی خالہ کو طلاق ہو گئی تو انہوں نے اپنے کھجور کے باغ میں کام کرنا شروع کر دیا۔ کسی نے انہیں ایسا کرتے دیکھا اور منع کیا۔ وہ اس بات پر رسول اللہ ﷺ کے پاس گئیں اور سارا واقعہ بیان کیا۔ تو آپ ﷺ نے انہیں اجازت دی اور فرمایا:

"أخرجي فحدى نخلك لعلك أن تصدق منه أو تفعلى خيرا"[24]

"نکلو اور اپنے کھجور کے پھل کاٹو، شاید تم اس میں سے صدقہ کرو یا کسی نیک کام میں خرچ کرو۔"

خود بعض ازواج مطہرات اپنے ہاتھ سے کماتی تھیں۔ حضرت خدیجہ مضاربت پر مال دے کر تجارت کرتی تھیں۔ حضرت سودہ کھالوں کی دباغت کا کام کرتی تھیں[25] حضرت زینب بھی یہ خدمت انجام دیتی تھیں[26]۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر اپنے شوہر کے گھوڑے کے لیے کئی میل دور سے کھجور کی گٹھلیاں سر پر لاد کر گھر لاتی تھیں اور پیس کر گھوڑے کو ڈالتی تھیں[27]۔ حضرت ملیکہ ام السائب عطر بیچا کرتی تھیں[28]۔ اس طرح حضرت اسماء بنت مخربہ بھی عطر کا کاروبار کرتی تھیں[29]۔ عبد اللہ بن مسعود کی بیوی حضرت زینب اور اسی نام کی ایک اور صحابیہ جو ابو سعود ثقفی کی بیوی تھیں، دونوں صنعت و حرفت کے ذریعے کماتی تھیں اور گھر والوں پر خرچ کرتی تھیں[30]۔ حضرت ام عطیہ میتوں کو غسل دینے کی خدمت انجام دیا کرتی تھیں[31]۔ حضرت اسماء بنت یزید

کپڑوں کے لیے سوت کات لیا کرتی تھیں[32]۔ حضرت قیلہ انماریہ بھی تجارت کرتی تھیں[33]۔ ایک صحابیہ کھیتی باڑی کر کے جمعے کے دن اپنی کھیتی سے چقندر لے کر پکاتی تھیں اور صحابہ کرام کو کھلاتی تھیں [34]۔ بوقت ضرورت بیرون خانہ سرگرمیوں کے حوالے سے کم از کم تینتالیس صحابیات کے نام سیرت و تاریخ کی کتب میں ایسے محفوظ ہیں جنھوں نے گھروں سے نکل کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں حصہ لیا[35]۔ بالعموم وہ مجاہدین کی مدد[36]، خدمت ، پانی پلانا[37]، ستو پلانا، تیر اٹھا کر دینا، مریضوں اور شہداء کی لاشوں کو میدان جنگ سے شہر منتقل کرنا[38]، اسباب کی حفاظت کرنا، علاج معالجہ کرنا[39]، اپنے بچوں کو جہاد کی ترغیب دینا[40]، رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی ترغیب دینا[41]، بھاگنے والوں کو ڈانٹنا[42] (شعر و شاعری کے ذریعے حوصلہ افزائی جیسی خدمات سرانجام دیا کرتی تھیں[43]۔ بعض اوقات انھوں نے خود عملی جہاد میں بھی حصہ لیا[44]۔ رسول اللہ ﷺ مال غنیمت سے ان کو عطایا بھی دیا کرتے تھے[45]۔

ملازمت کے آداب و شرائط:

اگر کوئی عورت یہ سمجھتی ہے کہ وہ اپنے گھریلو فرائض کو بخوبی نبھاتے ہوئے، گھر میں رہ کر یا گھر سے باہر جا کر کوئی کام یا ملازمت کر سکتی ہے، تو اسے یہ حق ضرور حاصل ہے، بشرطیکہ وہ کچھ مخصوص حدود، شرائط اور آداب کی پابندی کرے۔ ذیل میں انہی شرائط و آداب کی کچھ وضاحت پیش کی جارہی ہے۔

(1) شوہر کی رضامندی ہو:

اگر عورت ملازمت کرے تو اس سے شوہر کے حقوق متاثر ہو سکتے ہیں، اسی لیے ضروری ہے کہ وہ کسی بھی قسم کی ملازمت شوہر کی اجازت سے کرے۔ ایک مسلمان عورت پر، اللہ تعالیٰ اور رسولِ کریم ﷺ کے بعد، سب سے زیادہ حق اس کے شوہر کا ہوتا ہے، اور اس کی وفاداری و اطاعت اس پر واجب ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

"فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ"[46]

"نیک، فرماں بردار، شوہروں کے پیچھے، اللہ کی نگرانی میں، ان کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں۔"

اسی طرح احادیثِ مبارکہ میں بھی نیک اور صالح عورت کی ایک اہم خوبی شوہر کی اطاعت کو قرار دیا گیا ہے۔ اسی ضمن میں رسول اکرم ﷺ کا ذیلی ارشاد ہے:

"کیا میں تمھیں اس بہتر چیز کی خبر نہ دوں؟ جس کو آدمی ذخیرہ کرتا ہے وہ نیکوکار عورت ہے۔ جب وہ اس کو دیکھے تو خوش کر دے اور جب حکم دے تو اطاعت کرے اور جب اس سے غائب ہو کر کہیں چلا جائے تو اس کے حقوق کی حفاظت کرے۔"[47]

ایک اور حدیث میں نیک عورت کی صفات کے ساتھ اس کا یہ اجر بھی بیان کیا گیا ہے:

"إذا صلت المرأة خمسها و صامت شهرها و حفظت فرجها و أطاعت ابعلها قيل لها أدخلى من أي أبواب الجنة شئت"[48]

ان آیات اور احادیث کی روشنی میں فقہاء کرام نے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ عورت شوہر کی اجازت کے بغیر کسب معاش کے لیے نہیں جا سکتی۔ چنانچہ فقہ اسلامی کی مشہور کتاب البحر الرائق میں علامہ ابن نجیم مصری فرماتے ہیں:

"وقيد خروج القابلة والغاسلة باذن الزوج وفسر الغاسلة بمن تغسل الموتى و ينبغى ان للزوج ان يمنع القابلة والغاسلة من الخروج لان في الخروج اضراراً به وهي محبوسة لحقه وحقه مقدم على فرض الكفاية بخلاف الحج الفرض لان حقه لا يقدم على فرض العين"[49]

دایہ (نرس) یا غاسلہ (میت کو غسل دینے والی عورت) کے لیے گھر سے باہر جانا شوہر کی اجازت سے مشروط ہے۔ غاسلہ سے مراد وہ عورت ہے جو وفات پانے والوں کو غسل دیتی ہے۔ اگر بیوی ان میں سے کسی پیشے سے وابستہ ہو تو شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اسے ان کاموں کے لیے گھر سے باہر جانے سے روک دے، کیونکہ بیوی کے باہر جانے سے شوہر

کو نقصان پہنچ سکتا ہے اور وہ اپنے شوہر کے حقوق ادا کرنے کی پابند ہے۔ اسی لیے فقہاء کا اصول یہ ہے کہ شوہر کا حق، فرض کفایہ پر مقدم ہے، یعنی اگر یہ کام کوئی اور بھی انجام دے سکتا ہو تو بیوی کا شوہر کے حقوق کو ترجیح دینا ضروری ہے۔ البتہ فرض عین (جیسے نماز یا روزہ) کی ادائیگی میں شوہر کا حق مقدم نہیں ہوتا۔"

فتاوی قاضی خان" میں یہاں تک بیان کیا گیا ہے کہ اگر بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکلے تو شوہر کو اس پر تعزیر (تادیبی کارروائی) کرنے کا حق حاصل ہے[50]۔ فقہائے کرام نے کچھ خاص اور غیر معمولی حالات کا ذکر بھی کیا ہے جن میں عورت مجبوری کے تحت شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر جا سکتی ہے۔ "فتاوی قاضی خان" میں اس حوالے سے یوں وضاحت کی گئی ہے۔:

"ليس للمراة أن تخرج بغير اذن الزوج الا باسباب معدودة منها اذا كانت في منزل يخاف السقوط عليها ومنها الخروج الى مجلس العلم اذا وقعت لها نازلة ولم يكن الزوج فقيها ومنها الخروج الى جج الفرض اذا وجدت محرما ويجوز للزوج أن ياذن لها ولا يصير عاصيا بالاذن ومنها الخروج الى زيارة الوالدين وتعزيتها وعيادتها وزيارة المحارم"[51]

"کچھ مخصوص وجوہات کے علاوہ عورت کو اپنے شوہر کے گھر سے باہر جانے کا اختیار نہیں ہے۔ ان وجوہات میں ایک یہ بھی ہے کہ اگر وہ ایسے گھر میں رہ رہی ہو جس کے گرنے کا خطرہ ہو تو وہ باہر جا سکتی ہے۔ اسی طرح، اگر کسی دینی مسئلے کا سامنا ہو اور شوہر خود علمِ دین نہ رکھتا ہو تو عورت بغیر اجازت کسی علمی مجلس میں جا سکتی ہے۔ اسی طرح اگر فرض عین علم سیکھنے کی ضرورت ہو اور اس کے ساتھ کوئی محرم ہو تو وہ باہر جا سکتی ہے، اور اس صورت میں شوہر کا اجازت دینا بہتر ہو گا، جس پر اسے گناہ نہیں ہو گا۔ مزید یہ کہ اگر عورت اپنے والدین کی تیمارداری، تعزیت یا ملاقات کے لیے جانا چاہے، یا کسی قریبی محرم رشتہ دار سے ملنے کی ضرورت ہو، تو وہ شوہر کی اجازت کے بغیر بھی جا سکتی ہے۔"

(۲) گھریلو ذمہ داریاں اور بچوں کی نگہداشت متاثر نہ ہو :

ملازمت صرف اس صورت میں جائز ہے کہ اس سے شوہر کا گھر اور بال بچوں کی دیکھ بال متاثر نہ ہو۔ کیونکہ عورت پر لازم ہے کہ وہ شوہر کے گھر اور بال بچوں کی دیکھ بھال کرے۔ روایت ہے: المرأة راعية على بيت زوجها وولده وهي مسؤلة عنهم۔[52] عورت اپنے شوہر کے گھر اور بچوں کی نگران اور ان کے بارے میں جوابدہ ہے۔ مولانا شمس الحق عظیم آبادی کے مطابق عورت کی ذمہ داریوں میں شامل ہے کہ وہ گھریلو معیشت کو بہتر انداز میں سنبھالے، شوہر کے مال میں دیانت داری سے کام لے اور شوہر کے ساتھ ساتھ بچوں کے حقوق، ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت کو بخوبی ادا کرنا شمار کرتے ہیں[53]۔ صحابیات کی زندگیوں کا مطالعہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ وہ بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ اپنے گھریلو فرائض بھی بخوبی نبھاتی تھیں۔ حتیٰ کہ ازواجِ مطہرات بھی اپنے گھر کے کام خود انجام دیتی تھیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حال یہ تھا کہ چکی پیستے پیستے ان کے ہاتھوں پر چھالے پڑ گئے تھے۔ اور سینے میں درد ہونے لگا تھا۔[54] جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہوا تو انہوں نے اپنی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد سے گھریلو کاموں کی فطری تقسیم کے حوالے سے بات کی:

"أكفى فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم سقاية الماء والذهاب في الحاجة ، وتكفيك خدمة الداخل الطحن و العجن"[55]

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی بیٹی فاطمہ کے لیے باہر کے کام مثلاً پانی بھرنا اور دیگر ضروریات پوری کیا کروں گا، جبکہ وہ گھر کے اندر کے کام جیسے روٹی پکانا، آٹا گوندھنا وغیرہ انجام دے گی۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ خود رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے درمیان گھریلو ذمہ داریوں کی یہی تقسیم فرمائی تھی۔[56]

(۳) پردے اور حجاب کی پابندی کی جائے:

پردہ عورت کی عزت و عصمت کی حفاظت اور معاشرے کو بے راہ روی سے بچانے کا مؤثر ذریعہ ہے۔ اسی لیے مسلمان عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ

جب بھی گھر سے باہر جائے تو مکمل پردے کے ساتھ نکلے اور اپنی زینت کو نمایاں کرنے سے پرہیز کرے۔ ارشادِ باری ہے:

"يَأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَلِكَ أَدْنَى أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُو ذَيْنَ"[57]

"اے نبی! اپنے اوپر اپنی چادروں کے آنچل ڈال لیا کریں۔ یہ طریقہ اس لیے زیادہ بہتر ہے تاکہ وہ پہچانی جاسکیں اور کسی کی ایذار سانی کا شکار نہ ہوں۔"

عربی میں جلباب وہ چادر جو سر تا پا پورے جسم کو ڈھانپے۔[58] دوسری جگہ ارشادِ باری ہے:

"وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ"[59]

"عورتوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ اپنی زینت ظاہر نہ کریں، سوائے اس کے جو از خود ظاہر ہو جائے۔"

زمانہ جاہلیت میں عورتیں صرف قمیص پہنتی تھیں اور گلے یا سینے پر کوئی اضافی کپڑا نہیں ہوتا تھا، بس سر پر کپڑا لپیٹ کر پیچھے باندھ لیتی تھیں۔ اس آیت کے ذریعے اس انداز کو ترک کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس حکم کے نازل ہوتے ہی صحابیات نے فوراً بڑی چادریں اوڑھنا شروع کر دیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں:

"يرحم الله نساء المهاجرات الأول لما أنزل الله وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ شققن أكنف وفي رواية أ كثف مروطهن فاختمرن بها"[60]

"اللہ تعالیٰ مہاجرات اولات پر رحم فرمائے، جب یہ آیت نازل ہوئی کہ وہ اپنی چادروں کو اپنے سینوں پر ڈال لیں تو انھوں نے اپنی موٹی چادروں کو پھاڑ کر اوڑھنیاں بنالیں۔"

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پردے کے لیے جو چادر استعمال کی جائے وہ موٹی اور بڑی ہونی چاہیے، کیونکہ پردے کا اصل مقصد اسی صورت میں پورا ہو سکتا ہے۔ مفسرینِ کرام نے بھی اس آیت کی یہی تشریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امت کی خواتین کو اپنی زینت کو چھپانے کا حکم دیا ہے۔ امام قرطبی، ابن عطیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"ويظهر لي بحكم ألفاظ الآية أن المرأة مامورة بألا تبدى وأن تجتهد في الاخفاء لكل ما هو زينة ، ووقع الاستثناء فيما يظهر بحكم ضرورة حركة فيما لا بد منه أو اصلاح شأن و نحو ذالك"[61]

"آیت کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ عورت پر لازم ہے کہ وہ اپنے جسم کو چھپائے اور اپنی زینت کو نمایاں کرنے سے گریز کرے، سوائے اس کے جو مجبوری یا ضرورت کے تحت خود بخود ظاہر ہو جائے، مثلاً کوئی حرکت کرتے وقت یا ہوا چلنے سے کوئی حصہ کھل جائے۔"

پردے کا جو مقصد شریعت نے بیان کیا ہے، اس کے مکمل حصول کے لیے چہرے کا پردہ بھی ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اکثر فقہائے کرام کا بھی یہی موقف ہے، اور موجودہ دور کے حالات کے تناظر میں تو اس کی پابندی اور زیادہ ضروری ہو گئی ہے۔ مفتی محمد شفیع نے آیتِ حجاب پر مفصل گفتگو کرتے ہوئے "اِلّا ماظَهَرَ" کی تفسیر میں فرمایا کہ پردے کے تین درجے ہیں۔ تیسرے درجے میں، جس میں فقہا کا اختلاف ہے، یہ بات آتی ہے کہ عورت کا پورا جسم ڈھانپا جائے سوائے چہرے اور ہتھیلیوں کے۔ کچھ فقہا، جیسے حضرت ابن عباسؓ، نے چہرے اور ہتھیلیوں کو "ماظَهَرَ" میں شمار کرتے ہوئے انہیں مستثنیٰ قرار دیا ہے، جبکہ حضرت ابن مسعودؓ جیسے دیگر علمانے برقع اور جلباب کو "ماظَهَرَ" قرار دیا اور چہرے کا کھولنا بھی ناجائز قرار دیا۔ جنھوں نے چہرے کے کھولنے کو جائز قرار دیا ہے، ان کی بھی شرط یہی ہے کہ فتنے کا خطرہ نہ ہو۔ لیکن چونکہ عام طور پر چہرہ عورت کی زینت کا مرکز ہوتا ہے اور فتنہ کا اندیشہ ہر وقت رہتا ہے، اس لیے اکثر حالات میں چہرہ کھولنا ان کے نزدیک بھی درست نہیں۔ ائمہ اربعہ میں سے امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل نے چہرے اور ہاتھوں کے کھولنے کی بالکل اجازت نہیں دی، خواہ فتنہ ہو یا نہ ہو۔ امام ابو حنیفہ نے اگرچہ فتنے کے نہ ہونے کی شرط کے ساتھ اجازت دی، لیکن چونکہ یہ شرط اکثر موجود نہیں ہوتی، اس لیے احناف کے نزدیک بھی غیر محرم کے سامنے چہرہ اور ہاتھ کھولنا جائز نہیں۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی بھی چہرے کے پردے کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ وہ "الا ماظَهَرَ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ پہلی آیت میں عورتوں کو اپنی زینت ظاہر نہ کرنے کا حکم دیا گیا، اور دوسری میں

صرف اس چیز کو مستثنیٰ کیا گیا جو خود بخود ظاہر ہو جائے یا جسے چھپانا ممکن نہ ہو، جیسے اوپر اوڑھی گئی چادر۔ ان کے مطابق زینت کی خود نمائش اور اظہار عورت کے لیے ممنوع ہے، جبکہ غیر اختیاری طور پر ظاہر ہو جانے پر اللہ کی طرف سے کوئی مؤاخذہ نہیں۔ یہی مطلب اس آیت کا حضرت عبداللہ بن مسعود حسن بصری، ابن سیرین اور ابراہیم نخعی نے بیان کیا ہے۔[62] آگے چل کر سید مودودی مزید لکھتے ہیں:

"لیکن ہم اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ "ماظَہَرَ" کے معنی "ما یُظہر" (یعنی جو ظاہر کیا جائے) کے کیسے ہو سکتے ہیں، کیونکہ عربی زبان کے کسی قاعدے سے یہ معنی نہیں نکلتے۔ "ظاہر ہونا" اور "ظاہر کرنا" دو بالکل الگ مفہوم رکھتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن واضح طور پر زینت کے اظہار (ظاہر کرنے) سے روکتا ہے، جبکہ صرف اس زینت کے ظاہر ہو جانے (بلا ارادہ کھلنے) کی اجازت دیتا ہے۔ اس اجازت کو زینت کے ظاہر کرنے تک وسیع کر دینا نہ صرف قرآن کے خلاف ہے بلکہ اُن روایات کے بھی خلاف ہے جو اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ جب حکم حجاب نازل ہوا تو عہدِ نبوی میں عورتیں منہ کھول کر باہر نہیں نکلا کرتی تھیں۔ اور حکم حجاب میں منہ کا پردہ شامل تھا، اور احرام کے سوا دوسری تمام حالتوں میں نقاب کو عورتوں کے لباس کا ایک جز بنا دیا گیا تھا"[63]

1۔ حالت اضطرار میں احکام حجاب میں گنجائش کے بارے میں سید مودودیؒ فرماتے ہیں:

"مگر بعض مواقع ایسے بھی آتے ہیں جن میں اجنبیہ کو دیکھنا ضروری ہو جاتا ہے۔ مثلاً کوئی مریضہ کسی طبیب کے زیر علاج ہو یا کسی مقدمے میں گواہی دینا ہو، کسی ہنگامی حالت جیسے آگ یا ڈوبنے سے بچانا ہو، یا کسی کی جان و آبرو خطرے میں ہو - ایسی صورتوں میں عورت کا چہرہ یا حتیٰ کہ حسب ضرورت جسم کا کچھ حصہ دیکھنا بھی جائز ہو سکتا ہے۔ جسم کو ہاتھ بھی لگایا جا سکتا ہے، بلکہ ڈوبتی ہوئی یا جلتی ہوئی عورت کو گود میں اٹھا کر لانا بھی صرف جائز نہیں، فرض ہے۔"[64]

ازواجِ مطہراتؓ کو اُمت کی مائیں قرار دیا گیا ہے، لیکن ان سے بھی اگر کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگنے کا حکم دیا گیا:

"وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ"[65]

"اگر تم ان (ازواج مطھرات) سے کوئی چیز مانگو پردے کے پیچھے سے مانگو۔ یہ تمھارے اور ان کے دلوں کو پاکیزہ رکھنے کے لیے زیادہ مناسب طریقہ ہے۔"

(۴) لباس باوقار ہو، زیب وزینت کا اظہار نہ ہو:

مسلمان عورت کے لیے ضروری ہے کہ اُس کا لباس مکمل طور پر جسم کو ڈھانپنے والا ہو، اور راستے پر وہ باوقار انداز میں چلے، کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنے والے انداز سے اجتناب کرے۔ چال ڈھال کے بارے میں ہدایت کی گئی:

"وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَةِ الْأُوْلَىٰ"[66]

"اور پہلے دور جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو۔"

سید ابوالاعلیٰ مودودی فرماتے ہیں:

"زینت کا اظہار اور غیر محرم مردوں کے سامنے زیبائش کی نمائش سے بھی منع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس طرز عمل سے عورتوں کو روکنا چاہتا ہے وہ ان کا اپنے حسن کی نمائش کرتے ہوئے گھروں سے باہر نکلنا ہے۔ وہ ان کو ہدایت فرماتا ہے کہ اپنے گھروں میں ٹک کر رہو، کیونکہ تمہارا اصل کام گھر میں ہے نہ کہ اس سے باہر۔ "تبرج" کا مطلب ہوتا ہے نمایاں ہونا یا خود کو نمایاں کرنا۔ عورت کے حوالے سے یہ لفظ تین چیزوں کو ظاہر کرتا ہے: چہرے یا جسم کی نمائش، لباس و زیورات کی نمائش، اور چال ڈھال میں ناز و انداز۔ یہ جاہلیت کے طور طریقے ہیں جو اسلام میں نہیں چل سکتے۔"[67]

اسلامی تعلیمات کے مطابق اگر باہر جانا بھی پڑے تو عورت کو اس انداز میں باہر نہیں نکلنا چاہیے جیسے جاہلیت کے زمانے کی عورتیں بن سنور کر نکلا کرتی تھیں۔ فیشن، ناز و انداز، اور جسمانی نمائش کا مظاہرہ کسی باحیا مسلمان عورت کو زیب نہیں دیتا۔ ارشاد ربانی ہے:

"وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنْ"[68]

روزمرہ آنے جانے میں بھی عورت کو ایسا انداز اختیار نہیں کرنا چاہیے کہ غیر مردوں کی نظریں اُس پر پڑیں۔ یہاں تک کہ زمین پر پاؤں زور سے مار کر چلنے سے بھی منع کیا گیا ہے تاکہ چھپی ہوئی زینت ظاہر نہ ہو۔

"نساء كاسيات عاريات مائلات مميلات لا يدخلن الجنة و لا يجدن ريحها و ريحها يوجد من مسيرة خمس مائة عام"[69]

"رسول اللہ ﷺ نے ایسی عورتوں کو جہنم کی وعید دی ہے جو لباس پہن کر بھی ننگی نظر آئیں، دوسروں کو متوجہ کریں اور خود بھی دوسروں کی طرف مائل ہوں۔ یہ عورتیں جنت میں داخل نہ ہوں گی اور اس کی خوشبو تک نہ پا سکیں گی۔"

(۵) غیر مردوں سے بلا ضرورت میل جول نہ ہو:

اسلام عورت کی عزت و عفت کے تحفظ کو نہایت اہمیت دیتا ہے، اسی لیے نبی کریم ﷺ نے غیر محرم مردوں اور عورتوں کے تنہائی میں ملنے کو سختی سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ صورتِ حال ان کی عزت و ناموس کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی ایسی عورت کے پاس نہ جاؤ جس کے پاس کوئی محرم نہ ہو۔

"لا تلجوا على المغيبات فإن الشيطان يجرى من أحدكم مجرى الدم"[70]

"کیونکہ شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے، یعنی وہ ہر لمحے فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔"

"إياكم والدخول على النساء فقال رجل من الأنصار يا رسول الله ﷺ أفر أيت الحمو قال الحمو الموت"[71]

"چونکہ قریبی غیر محرم رشتہ داروں سے فتنہ کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے، اس لیے آپ ﷺ نے خاص طور پر خبردار کرتے ہوئے فرمایا کہ عورتوں کے پاس جانے سے بچو۔ جب ایک صحابی نے پوچھا کہ دیور کے بارے میں کیا حکم ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "دیور تو موت ہے۔"

اگر عورت کو ایسی ملازمت کرنی پڑے جہاں عزت و حرمت کی مکمل حفاظت کا انتظام ہو، تب بھی اسلام چاہتا ہے کہ غیر مردوں سے میل جول محدود ہو کیونکہ مرد و عورت کا اختلاط بہت سے فتنوں کا سبب بن سکتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے:

"أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول وهو خارج من المسجد إستأخرن فإنه ليس لكن أن تحتفن الطريق عليكن بحافات الطريق"[72]

"ایک مرتبہ مدینے کی ایک گلی میں مردوں اور عورتوں کا آمنا سامنا ہو گیا تو نبی ﷺ نے فوراً توجہ دی اور عورتوں کو حکم دیا کہ وہ راستے کے کنارے چلا کریں۔ اس حکم کی ایسی پابندی کی گئی کہ عورتیں دیوار سے لگ کر چلنے لگیں حتیٰ کہ ان کی چادریں دیوار سے الجھنے لگیں۔"

"ان النبي نهى ان يمشي يعنى الرجل بين المراتين"[73]

"رسول اللہ ﷺ نے مرد کو دو عورتوں کے درمیان چلنے سے منع فرمایا ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے عورتوں اور مردوں کے اختلاط سے بچنے کے لیے مسجد نبوی میں ایک دروازہ عورتوں کے لیے مخصوص کر دیا تھا۔[74]

اسی طرح جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی صورت میں عورتوں کی صفیں پیچھے رکھنے کا حکم دیا گیا تاکہ مرد و عورت الگ رہیں۔ عورت کو حمام میں جانے سے بھی اسی لیے منع کیا گیا کہ وہاں مردوں سے میل جول یا اختلاط کا خدشہ ہوتا تھا، جو اسلامی اخلاقیات کے خلاف ہے۔ اور پردے کا بھی اہتمام نہیں

ہوتا تھا۔[75]

مولانا محمد یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں کہ "عورت کا ایسی جگہ ملازمت کرنا حرام ہے جہاں اس کا اختلاط مردوں سے ہوتا ہو۔"[76] مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس کی توضیح یوں کرتے ہیں:

"جو دین خدا کے گھر میں عبادت کے موقع پر بھی دونوں صنفوں کو خلط ملط نہیں ہونے دیتا، اس کے متعلق کون تصور کر سکتا ہے کہ وہ کالجوں میں، دفتروں میں، کلبوں اور جلسوں میں اسی اختلاط کو جائز رکھے گا۔"[77]

البتہ بعض صورتوں میں جہاں فتنے کے سر اٹھانے کا خوف نہ ہو وہاں خلوت کا حکم بدل جاتا ہے۔ مولانا گوہر رحمان، ابن عابدین شامی کا قول نقل کر کے لکھتے ہیں:

"والذي يحصل من هذا أن الخلوة المحرمة تنتفى بالحائل وبوجود محرم أو امرأة ثقة قادرة"[78]

"فقہا کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ خلوت کی حرمت اس وقت ختم ہو جاتی ہے جبکہ درمیان میں پردہ حائل ہو یا محرم موجود ہو یا ایک بااعتماد اور قدرت والی خاتون موجود ہو۔"

(۶) ملازمت کے سفر میں محرم ساتھ ہو:

ملازمت کے سلسلے میں بعض اوقات دور دراز کے سفر کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایک مسلمان عورت کے لیے ضروری ہے کہ سفر کے دوران اس کو محرم رشتہ دار کی معیت حاصل ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"لا يحل لامراة تومن بالله واليوم الاخر ان تسافر مسيرة يوم وليلة ليس معها حرمة"[79]

"مومن عورت جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو، اس کے لیے حلال نہیں ہے کہ ایک دن رات کا سفر محرم کے بغیر کرے۔"

اسی طرح بعض احادیث میں دو دن اور رات اور بعض میں تین دن اور رات کا ذکر ہے۔[80] شیخ الحدیث مولانا غلام رسول سعیدی بغیر محرم کے عورت کے سفر کے حوالے سے احناف کا موقف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ " احناف کے نزدیک عام حالات میں عورت تین دن رات کی مسافت (۷۳-۹۸ کلو میٹر) کا سفر غیر محرم کے نہیں کر سکتی اور فتنہ کے زمانے میں ایک دن کا سفر بھی بغیر زوج (محرم) کے نہیں کر سکتی۔"[81]

(۷) نرمی اور لچکدار آواز اختیار نہ کرے:

جہاں غیر مردوں کے سامنے اظہار زینت ایک فتنہ ہو سکتا ہے وہاں لوچدار آواز بھی فتنے کا محرک ہو۔سکتی ہے۔ فرائض کی ادائیگی کے دوران اگر کسی مرد سے بات کرنا ناگزیر ہو جائے تو ضروری ہے کہ گفتگو میں۔ متانت اور سنجیدگی ہو۔ عورتوں کے لیے جائز نہیں ہے کہ غیر محرم مردوں کے ساتھ لوچدار آواز میں باتیں کریں۔ قرآن کریم میں امہات المؤمنین سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَ قُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا"[82]

"اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو دبی زبان سے بات نہ کیا کرو کہ دل کی خرابی کا مبتلا کوئی شخص لالچ میں پڑ جائے بلکہ صاف سیدھی بات کیا کرو۔"

مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"یعنی اگر تقوی اور خدا کا ڈر دل میں رکھتی ہو تو غیر مردوں کے ساتھ بات چیت کرتے۔ ہوئے۔۔۔ (نرم اوکش لہجہ میں کلام نہ کرو۔ بلاشبہ عورت کی آواز میں قدرت نے۔ طبعی طور پر ایک نرمی اور نزاکت رکھی ہے۔ لیکن پاکباز عورتوں کی شان یہ ہونی چاہیے کہ۔ حتی المقدور غیر مردوں سے بات کرتے ہوئے بہ تکلف ایسالب ولہجہ اختیار کریں جس میں قدرے خشونت اور روکھاپن ہو اور کسی بدباطن کے قلبی میلان کو اپنی طرف جذب نہ کرے۔"[83]

جب عام گفتگو میں لگاوٹ کی باتوں سے منع کیا گیا تو تفریح کے نام پر گپ شپ لگانا محفلوں میں گانا، ناچنا اور فحش باتیں کرنا تو بدرجہ اولی ممنوع قرار پاتی ہیں۔ اسلام کی یہ تمام ہدایات دراصل عورت کی عزت و آبرو کی حفاظت اور معاشرے کو پاکیزہ رکھنے کے لیے ہیں۔

(۸) حفاظت نظر کا اہتمام کرے:

ایک مسلمان خاتون جب ملازمت یا دیگر ضروریات زندگی کے لیے گھر سے نکلتی ہے تو اُسے متعدد مواقع پر ناگزیر طور پر مردوں کے ساتھ واسطہ پڑتا ہے۔ اسلام کسی ممکنہ خطرے سے بچنے کے لیے ابتدائی طور پر ہر مرد و عورت کو غض بصر کا حکم دیتا ہے۔ کیونکہ ایک بری نگاہ ہی بڑی بڑی برائیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ بری نگاہ شیطان کے تیروں میں سب سے کارگر تیر ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

"قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغْضُوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَفْعَلُونَ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فَرُوجَهُنَّ"[84]

"اے پیغمبر! آپ مومنوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے حق میں بہت بہتر ہے۔ اور بلاشبہ اللہ، جو کچھ وہ کرتے ہیں ان سے باخبر ہے اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔"

قرآن کریم میں جنتی عورتوں کی جہاں دیگر خوبیوں کا تذکرہ ہے وہاں یہ خوبی بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ حیا کے وصف سے متصف ہوں گی:

"وَعِنْدَهُمْ قَصِرَاتُ الطَّرْفِ أَتْرَاب"[85]

"اور ان کے پاس نیچی نگاہ رکھنے والی ہم عمر عورتیں ہوں گی۔"

ملازمت کے لیے آنے جانے اور ملازمت کی جگہ ہر دو میں خواتین اسلام کو حکم ہے کہ ان کی نگاہیں باحیا ہوں اور وہ غیر ضروری تانک جھانک سے اجتناب کریں۔ اگر اچانک کسی پر نظر پڑ بھی جائے تو فوری طور پر ہٹائے۔ اسی میں جنس اناث اور پورے معاشرے کی بھلائی اور پاکیزگی مضمر ہے۔

(۹) گھر سے باہر خوشبو لگانے سے پرہیز کرے:

اسی طرح گھر سے باہر عورت کے لیے خوشبو لگانا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ بھی لوگوں کی توجہ کو دعوت دیتی ہے۔ جو نظام معاشرت خواتین کی ہر طرح کی زینت کو پوشیدہ رکھنے کا حکم دیتا ہے، وہ فتنے کے اس خفیہ ایجنٹ کو کیسے گوارا کر سکتا ہے۔ خوشبو لگا کر ایک مسلمان خاتون مسجد میں بھی نہیں آسکتی، چہ جائے کہ وہ خوشبو لگا کر بازاروں یا دیگر مقامات کا دورہ کرتی پھرے۔ حدیث میں آتا ہے:

"ايما امرأة استعطرت فمرت على قوم ليجدوا من ريحها فهي زانية"[86]

"جو کوئی عورت خوشبو لگا کر لوگوں کے پاس سے گزرتی ہے تاکہ ان تک خوشبو پہنچ جائے تو وہ زانیہ ہے۔"

شارحین حدیث اس حدیث سے یہ حکم مستنبط کرتے ہیں:

"أن فيه تحريم خروج المرأة متعطرة"[87]

"اس حدیث سے عورت کا خوشبو لگا کر گھر سے نکلنے کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔"

یہ حدیث دراصل اسلامی اخلاقیات کے ایک اہم پہلو کو واضح کرتی ہے جس کا بنیادی مقصد معاشرتی پاکیزگی اور عفت کا تحفظ ہے۔ جدید دور میں اس حکم کو اس کے مقاصد اور سیاق وسباق میں سمجھنا ضروری ہے۔

(۱۰) مردوں کے ساتھ مشابہت نہ کرے:

بعض ملازمتیں ایسی ہوتی ہیں جہاں عورتوں ک مردانہ لباس اور اطوار اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ ایسی ملازمتیں یقیناً جائز نہیں ہیں۔ شریعت میں مردوں کو عورتوں اور عورتوں کو مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ حدیث میں آتا ہے:

"لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم المتشبهات بالرجال من النساء والمتشبهين بالنساء من الرجال"[88]

"رسول اللہ ﷺ نے مردوں کے ساتھ مشابہت کرنے والی عورتوں اور عورتوں کے ساتھ مشابہت کرنے والے مردوں پر لعنت فرمائی ہے۔"

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

"یعنی لباس وزینت کی جو چیزیں عورتوں کے ساتھ خاص ہیں، مردوں کو وہ نہیں اختیار کرنی چاہئیں، اسی طرح جو ہیئت اور وضع قطع مردوں کے ساتھ مخصوص ہے، اس کا عورتوں کو اختیار کرنا درست نہیں، گفتگو اور چال کا بھی یہی حکم ہے، ہاں اگر کسی کی خلقت ہی میں اس طرح کی مشابہت ہے تو چونکہ وہ غیر اختیاری ہے، اس لیے وہ اس وعید میں داخل نہیں۔"[89]

امام المفسرین ابن جریر طبری اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی یہی فرمایا ہے۔[90]

ماحصل:

اسلامی تعلیمات کے مطابق عورت شرعی آداب اور حدود کی پاسداری کرتے ہوئے کسی بھی جائز پیشے میں کام کر سکتی ہے، جیسے طب، تعلیم، تجارت، زراعت، دستکاری، وکالت، پولیس، غیر سودی بینکنگ یا فیکٹری وغیرہ۔ اگر وہ ان شرائط کی پابندی کرے تو اس کی آمدنی حلال ہوگی، اور وہ اپنی مرضی سے نیک کاموں میں خرچ کر سکتی ہے۔ تاہم، اگر ملازمت کا مقصد صرف سماجی یا مالی حیثیت میں اضافہ ہو اور شرعی حدود کا خیال نہ رکھا جائے تو یہ جائز نہیں۔

نتائج تحقیق:

1. اسلام عورت کو مکمل ملکیتی حق دیتا ہے اور اس میں مرد و عورت کے درمیان تفریق نہیں کرتا۔
2. وراثت اور مہر اسلامی شریعت کی روشنی میں عورت کا واجب حق ہیں، جنہیں روایتی سماج اکثر سلب کر لیتا ہے۔
3. اسلامی تاریخ میں عورتوں کی خودمختار مالی حیثیت کی کئی روشن مثالیں موجود ہیں۔
4. فقہی مکاتب فکر میں عورت کی ملکیت کو مرد کی طرح مکمل اور آزاد تصور کیا گیا ہے۔
5. موجودہ دور میں قانونی تحفظ کے باوجود عملدرآمد نہ ہونے کے برابر ہے۔
6. اکثر عورتیں اپنے مالی حقوق سے لاعلم ہیں اور خاندان یا معاشرہ انہیں ان کے شرعی حقوق سے محروم رکھتا ہے۔

تجاویز وسفارشات

1. مدارس، جامعات اور اسکولز میں "خواتین کے مالی حقوق" کو باقاعدہ مضمون کے طور پر پڑھایا جائے۔
2. عدالتی نظام کو فعال کیا جائے تاکہ عورتیں وراثتی حقوق کی بازیابی کے لیے فوری قانونی سہولت حاصل کر سکیں۔
3. خاندانی سطح پر اصلاحی اقدامات کیے جائیں جیسے نکاح نامے میں عورت کی ملکیت کا ذکر، وراثت کی تحریری تقسیم وغیرہ۔
4. علمائے کرام و مفتیانِ عظام جمعہ خطبات اور عوامی دروس میں عورت کے مالی حقوق پر زور دیں۔

- خواتین کو مالی خودمختاری کی تربیت دی جائے تاکہ وہ خود بھی اپنی ملکیت کی نگرانی اور دفاع کر سکیں۔

@ 2024 by the author, this article is an open access article distributed Under the terms and conditions of the Creative Commons Attribution (CC-BY) (http://creativecommons.org/licenses/by/4.0/)

حوالہ جات

[1] النساء:7

[2] **شرح الوقایہ**، کتاب العتاق، (عمان: مؤسسۃ الوراق، س ن)، 165۔

[3] القرآن: 2/188 ۔

[4] محمد بن احمد قرطبی، **الجامع لاحکام القرآن**، (بیروت: مؤسسۃ الرسالي، 1427ھ)، 3/223۔

[5] القرآن: 4/37 ۔

[6] قرطبی، **الجامع الاحکام القرآن**، 2/20۔

[7] القرآن: 4/7 ۔

[8] القرآن: 4/3 ۔

[9] مسلم بن حجاج قشیری، **صحیح مسلم**، (کراچی: قدیمی کتب خانہ، 1956ء)، کتاب النساء: 65/، باب ان تخییرہ امراتہ لایکون طلاقا الا بالنیۃ، 1/481۔

[10] القرآن: 2/ 229 ۔

[11] القرآن: 2/229 ۔

[12] الازہری، **ضیاء القرآن**، (لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، 1995ء)، 1/158۔

[13] قشیری، **صحیح مسلم**، کتاب الحج، باب حجۃ النبي، 1/ 397۔

[14] *The New Encyclopedia Britanica (Macropeadia) Chicago, 1988. Vol 12 (Women's Liberation Movement), P: 733.*

[15] نظام الدین وجماعت علماء، **الفتاوی الہندیہ**، (کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ، س ن)، 1/565- 566۔

[16] القرآن: 33/33 ۔

[17] سلیمان، **سنن أبي داود**، کتاب الصلاۃ، باب التشدید في ذلک، ح: 57۔

[18] سلیمان، **سنن أبي داود**، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ للمملوک والمرأۃ، ح: 1067۔

[19] البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الجنائز، باب اتباع النساء لجنائز، ح: 1278۔

[20] البخاری، **الجامع الصحیح کتاب تفسیر القرآن**، باب لا تدخلوا بیوت النبي، ح: 4795۔

[21] مولانا گوہر رحمان، **تفہیم المسائل**، مردان، مکتبہ تفہیم القرآن 2002ء)، 4/276۔

[22] شفیع عثمانی، **معارف القرآن**، (کراچی: ادارۃ المعارف، 1983ء)، 7/133۔

[23] شفیع عثمانی، **معارف القرآن**، 135-134 ۔

[24] سلیمان، **سنن أبي داود**، کتاب النساء، باب في المبتوتۃ تخرج بالنہار، ح: 2297 ۔

[25] البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الایمان والنذور، باب ان خلف ان لایشرب نبیذا...، ح: 6686۔

[26] ابن سعد محمد بن سعد، **الطبقات الکبری**، (بیروت: دار احیاء التراث العربي، 1996م/1417ھ)، 8/299۔

[27] بخاری، **صحیح البخاري**، کتاب النکاح، باب الغیرۃ---، ح: 5224۔

[28] ابن حجر العسقلانی، **ابن حجر، الاصابۃ في تمییز الصحابۃ**، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ 2002م)، 5/ 311

[29] ابن سعد، **الطبقات الکبری**، 8/136 ۔

[30] ابن أثیر، عز الدین، **اسد الغابۃ**، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الأولی 1994 م) 7/122؛ ابن حجر، **الاصابۃ في** تمیز الصحابۃ، 5/234 ۔

[31] ابن حجر، **الاصابۃ**، 5/315 ۔

[32] ابن حجر، **الاصابۃ**، 5/187 ۔

[33] ابن حجر، **الاصابۃ في تمییز الصحابۃ**، 8/291 ۔

[34] البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الجمعۃ، باب قول اللہ تعالی فاذا قضیت الصلواۃ، 938 ۔

[35] ڈاکٹر نصیر خان، **رسول اکرم ﷺ کی دعوت میں صحابیات کا کردار**، (پی ایچ ڈی، جامعہ کراچی، 2006)، 537- 538۔

[36] ابن سعد، **طبقات**، 8/395 ۔

[37] **الجامع الصحیح**، کتاب الجہاد والسیر، باب رد النساء: 4/ الجرحی والقتلی الی المدینۃ، ح: 2883 ۔

[38] سنن أبي داود، کتاب الجہاد، باب في المرأۃ والعبد یحذیان من الغنیمۃ، ح: 2729۔

[39]ابن اسیر، **اسد الغابۃ**،7/111 ۔
[40]ابن اسیر، **اسد الغابۃ**،7/91-90 ۔
[41]ابن کثیر حافظ عماد الدین، **البدایۃ والنہایۃ**،(بیروت: دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، الطبعۃ الأولی1996م/1416ھ،3 / 258۔
[42]ابن سعد، **طبقات الکبری**،8/ 264 ۔
[43]ابن کثیر، **البدایۃ والنہایۃ**،3/169 ۔
[44]ابن حجر، **الاصابۃ**،5/185۔
[45]ابن ہشام أبو محمد عبد الملک، **السیرۃ النبویۃ**،(مصر: مصطفی البابي الحلبي وأولادہ،1955م)،482-483۔
[46]القرآن:4/34 ۔
[47]**سنن ابی داود**، کتاب الزکاۃ، باب في حقوق المال، ح:1664۔
[48]**مسند احمد بن حنبل**، ح:1664۔
[49]ابن نجیم زین الدین، **البحر الرائق علی کنز الدقائق**،(کوئٹہ:-مکتبہ رشیدیہ، س ن)،4/195-196۔
[50]محمود الاوزجندی، **فتاوی قاضی خان علی ہامش الہندیۃ**،(کوئٹہ: مکتبہ رشیدیہ، س ن)،1/443۔
[51]محمود الاوزجندی، **فتاوی قاضی خان علی ہامش الہندیۃ**،1/443۔
[52]البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب العتق، باب التطاول علی الرقیق---، ح:2554۔
[53]شمس الحق عظیم آبادی، **عون المعبود**،(بیروت: دار الفکر،1995م)،8/116۔
[54]البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب النفقات، باب عمل المرأۃ في بیت زوجہا، ح:5361۔
[55]ابن حجر، **الاصابۃ**،5/285 ۔
[56]شمس الدین ابن قیم الجوزیۃ، **زاد المعاد**،(پشاور، وحیدی کتب خانہ، س ن)،4/ 988۔
[57]القرآن:33/59 ۔
[58]علامہ وحید الزمان، **القاموس الوحید**،(لاہور: ادارہ اسلامیات، س ن)،269
[59]القرآن:24/31 ۔
[60]**سنن أبي داود**، کتاب اللباس، باب في قولہ ولیضربن بخمرہن ....ح:4102 ۔
[61]**الجامع لاحکام القرآن**،12/ 229 ۔
[62]مودودی، ابوالاعلی، مولانا سید : **تفہیم القرآن**، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن،1994ء)،3/385 ۔
[63]مودودی، **تفہیم القرآن**،3/ 386 ۔
[64]مودودی، **پردہ**،298 ۔
[65]القرآن:33/53 ۔
[66]القرآن:33/33 ۔
[67]مودودی، **تفہیم القرآن**،3/ 92 ۔
[68]القرآن:24/31 ۔
[69]مالک بن انس، الموطأ،کتاب الجامع، باب ما یکرہ للنساء لبسہ من الثیاب ،ح:1694 ۔
[70]ترمذی، **السنن**، کتاب الرضاع ، باب في کراہیۃ الدخول علی المغیبات ،ح:1172 ۔
[71]البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب النکاح ، باب لایخلون رجل بامرأۃ الا ذو محرم --- ،ح:5232 ۔
[72]سلیمان، **سنن أبي داود**، کتاب الأدب، باب في مشی النساء:4/ مع الرجال في الطریق ،ح:5272 ۔
[73]سلیمان، **سنن أبي داود**، کتاب الأدب، باب في مشی النساء:4/ مع الرجال في الطریق،ح:5273 ۔
74**سنن ابو داود**، کتاب الصلواۃ، باب في اعتزال النساء:4/ في المساجد عن الرجال ،ح:462 ۔
[75]ترمذی، **السنن**، کتاب الادب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، باب ما جاء في دخول الحمام ،ح:2803 ۔
[76]مولانا محمد یوسف لدھیانوی، **آپ کے مسائل اور ان کا حل**،(کراچی: مکتبہ لدھیانوی،1997ء)،8/ 85- 86۔
[77]مودودی، **تفہیم القرآن**،3/296 ۔
[78]**محمد بن امین، رد المحتار**،5/ 324 ۔
[79]**الجامع الصحیح**، کتاب الجمعۃ، باب في کم یقصر الصلاۃ --- ،ح:1088 6Q
[80]القشیری، **صحیح مسلم**، کتاب الحج، باب سفر المرأۃ مع محرم الی حج وغیرہ۔

[81]غلام رسول سعیدی، **شرح صحیح مسلم**،(لاہور: فرید بک سٹال، 2001ء)،3/263۔
[82]القرآن:33/32 ۔
[83]شبیر احمد عثمانی، **تفسیر عثمانی**، (کراچی: دار الاشاعت،1993 ء)،2/351 ۔
[84]القرآن:24/31 -30 ۔
[85] القرآن: 52 :38 ۔
[86]**سنن النسائي**، کتاب الزینة ، باب ما یکرہ للنساء من الطیب۔
[87]محمد بن علی، **شرح سنن النسائي**(المکة المکرمة: دار البروم للنشر والتوزیع ،2007 م)،38/172 - 171 ۔
[88]**سنن الترمذی**، کتاب الادب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، باب ما جاء في المتشبہات بالرجال من النساء:4/،ح:2784 ۔
[89]مولانا سلیم اللہ خان، **کشف الباری عمافی صحیح البخار**، کتاب اللباس،(کراچی: مکتبہ فاروقیہ،2008 ء)،242۔
[90]عظیم آبادی، **عون المعبود**،11/122 ۔